برّصغیر کے مدارس میں رائج درس نظامی

ایک تعارف.....ایک اہم ضرورت

محمد عمر فاروق صادق آبادی

برّصغیر پاک وہند میں صدہا سال سے دینی مدارس کا قیام چلا آرہا ہے، یوں تو تعلیم وتعلّم کا سلسلہ اسی وقت سے مساجد میں شروع ہوگیا تھا جب محمد بن قاسمؒ برّصغیر میں فاتح بن کر داخل ہوئے تھے، مگر باقاعدہ آغاز قطب الدین ایبک کے عہد حکمرانی میں ہوا(۱)، اور قائم کیے جانے والے بڑے بڑے مراکز میں باضابطہ دِینیات کی تدریس کا سلسلہ جاری ہوا۔

ان مدارس میں مختلف نظامہائے تعلیم رائج رہے، مولانا حکیم عبدالحئی لکھنویؒ کی تحقیق کی روشنی میں ہندوستانی نظام تعلیم پر چار مراحل وادوار گزرے ہیں، جن میں جدا جدا نصاب کے ذریعے تشنگان علوم کی سیرابی کا سامان کیا جاتا رہا، لیکن تقریباً ڈھائی سوسال سے ملاّ نظام الدین فرنگی محلی کا مرتب کردہ نصاب تعلیم ہندوستان کی درسگاہوں میں معروف ومقبول ہے، ہندوپاک کے اکثر محققین کی تحقیق کے مطابق (۲) ''درس نظامی'' کے نام سے مشہور نصاب ملاّ نظام الدینؒ ہی کی علمی یادگار ہے۔

ملاّ نظام الدینؒ کے آباؤ واجداد افغانستان کے علاقہ ہرات کے رہنے والے تھے، وہاں سے ہجرت کرکے لکھنؤ آئے اور شہر سے تھوڑے فاصلے پر 'سہالی' نامی مقام پر آباد ہوگئے، اسی نسبت سے آپ کے نام کیساتھ سہالوی بھی لکھا جاتا ہے، جب آپ کا خاندان یہاں آکر بسا، تو چونکہ علم وفضل شروع سے ہی خاندان کا طرۂ افتخار تھا ؛اس لیے بہت جلد درس وتدریس کا سلسلہ جاری ہوا اور خوب زور وشہرت پکڑ گیا، چرچا بادشاہِ وقت اکبر تک پہنچا تو اس نے ایک بڑی جائیداد اس خاندان کے نام وقف کردی، جس کی آمدنی سے خاندان کی کفالت کیساتھ طلبہ کے قیام وطعام کے اخراجات بسہولت پورے ہوجاتے۔

آپ کے والد ملاّ قطب الدین بہت بڑے عالم تھے، اُستاد ائمہ فن کے لقب سے مشہور تھے، نامور اہل علم

آپ کی انجمن درس کے خوشہ چیں رہے، میر غلام علی آزاد بلگرامی کے موصوف کے بارے میں یہ الفاظ ہیں:

''امام اساتذہ ومقتدا جہامدہ است معدن عقلیات ومخزن نقلیات''۔ (۳)

آپ کے خاندان کی سربلندی اور شہرت میں آئے دن اضافہ ہونے لگا تو وہاں پر عرصہ دراز سے مقیم ایک دوسرے علمی خاندان سے یہ چیز برداشت نہ ہوسکی، دن رات اس خاندان کو ستانا شروع کردیا؛ ایک قریب موضع کے خان صاحبان سے موافقت کرکے ملاّ قطب الدین پر شب خون مارا، ملاّ صاحب کو شہید کرنے کے ساتھ ساتھ آپ کے کتب خانہ کو بھی نذر آتش کردیا، اس میں آپ کی تصانیف بھی جل کر راکھ ہوگئیں، جن میں ان کا وہ گراں قدر حاشیہ بھی شامل تھا جو علاّمہ دوانی کی شرح عقائد پر انہوں نے تحریر فرمایا تھا، اس خانہ جنگی سے دل برداشتہ ہوکر آپ کا خاندان لکھنو منتقل ہوگیا، ملاّ نظام الدین اس وقت گیارہ برس کے تھے، یہ اورنگ زیب عالمگیر کا زمانہ تھا، اسے خبر ہوئی تو اس خاندان کی خدمات کے پیش نظر اورنگ زیب نے لکھنو میں انہیں جگہ دی اور ایک بڑی کوٹھی ان کے نام وقف کردی، جو فرنگی محل کے نام سے مشہور تھی، اسے فرنگی محل کہنے کی وجہ یہ تھی کہ اس کوٹھی میں ایک طویل عرصہ تک فرنگی تاجروں کا قیام رہا تھا، پھر یہی فرنگی محل کا لقب ہمیشہ کیلئے اس خاندان کے نام کا حصہ ہوکر رہ گیا۔

ملاّ نظام الدّین کی پیدائش ۱۶۷۷ء میں ہوئی، اور وفات ۱۷۴۸ء کو ہوئی، کل عمر ۷۵ سال پائی، آپ ملاّ قطب الدین شہید سہالوی کے تیسرے فرزند تھے، مروّجہ علوم کی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے اور ان کی شہادت کے بعد حافظ امان اللہ بنارسی اور مولوی قطب الدین شمس آبادی سے لی اور آخر میں مولوی غلام نقشبند لکھنوی سے سند فراغت حاصل کی۔

آپؒ بلاشبہ منقولات ومعقولات کے بادشاہ تھے، درس وتدریس میں ید طولیٰ حاصل تھا، آپؒ کا حلقہ درس ایک انفرادی اور عالمگیر شہرت کا حامل تھا، دور دراز اطراف وامصار اور شہر وقصبات سے طالبان علوم کے قافلے آآ کر آپ کے درس میں علوم ومعارف کے خزانوں سے اپنے دامن علم کو بھرتے تھے، ہندوستان کے مورخین نے لکھا ہے کہ برصغیر میں شاید ہی کوئی ہوگا جو ان کا یا ان کے بیٹوں کا یا ان کے شاگردوں کا شاگرد نہ ہو، (۴) آپ ظاہری وباطنی علوم کے جامع تھے، حضرت شاہ عبدالرزاق مانسوی قدس سرہ کے مرید تھے، حضرت بانسویؒ آپؒ کے متعلق فرمایا کرتے تھے:

''نظام الدین ان لوگوں میں سے ہے جن کے متعلق ''اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَات'' کا ارشاد ہے۔'' (۵)

آپؒ کی تصانیف میں فواتح الرحموت شرح مسلّم الثبوت، شرح تحریر الاصول لابن الھمام، شرح منار

الاصول، حواشی قدیمہ دوانیہ، حاشیہ صدرا، شرح سلم العلوم، حاشیہ شمس بازغہ، شرح رسالہ مبارزیہ اور مناقب رزاقیہ شامل ہیں۔(۶)

ملا نظام الدین نے اپنے مدرسے کیلئے ایک نصاب ترتیب دیا تھا، جو بنیادی طور پر گیارہ علوم پر مشتمل تھا، جس میں زیادہ زور اس بات پر دیا کہ عربی زبان پر اچھی دسترس حاصل ہوجائے، اس کیلئے صرف، نحو اور ادب کی متعدد کتب تجویز کیں، ان کے علاوہ تفسیر، حدیث، بلاغت، فلسفہ، علم کلام اور منطق جیسے فنون کا انتخاب کیا گیا تھا، کتب کے چناؤ میں مطوّلات کی بجائے مختصرات پر زور دیا گیا یا مطوّلات کا مخصوص حصّہ منتخب کر کے بطور درس پڑھایا جاتا تھا،

اس نصاب میں فن حدیث کے حوالے سے کچھ زیادہ توجہ نہیں دی گئی تھی، احادیث کی مختصر کتابوں کے درس کے بعد آٹھویں صدی کے عالم خطیب تبریزیؒ کی مرتبہ کردہ مشکوۃ کے درس پر درس حدیث کا سلسلہ ختم ہوجاتا تھا، لیکن جب شاہ ولی اللہ کا زمانہ آیا تو انہوں نے اس نصاب سے تعلیم حاصل کی اور اس کے بعد دیار عرب کا سفر کیا، وہاں کے بڑے بڑے شیوخ کے سامنے زانوائے تلمذ طے کیا اور ان سے سند حدیث حاصل کی، تو آپ نے واپس آ کر اس نصاب میں کچھ ترامیم کیں، معقولات کو کم کر کے اس میں موطا اور صحاح ستہ کو شامل نصاب کر دیا۔ یوں درس نظامی کے مرتب ملا نظام الدینؒ ہی نہیں رہے بلکہ شاہ صاحب کے مفید اور خاطر خواہ اضافات و ترامیم کے بعد ان کا حصہ بھی اس میں شامل ہوگیا، حضرت شاہ صاحب کے بعد حالات و زمانے کی ضروت کی پیش نظر درس نظامی میں معمولی اضافہ و ترمیم کا سلسلہ اب تک چلا آ رہا ہے۔

شاہ صاحبؒ نے جب کتب احادیث کو شامل نصاب کیا تو ایک کام یہ بھی کیا کہ پہلے جس نصاب میں فقط فقہ حنفی کی تعلیم دی جاتی تھی، کوشش کر کے چاروں فقہ کے مسائل کو مباحث کا حصہ بنا دیا، تاکہ طالب علم کی معلومات وسیع تر ہوسکیں، اور وہ چاروں فقہ کا گہرائی سے مطالعہ اور موازنہ کرنے کے ساتھ ساتھ موافقت کی صورت نکال سکے۔

اس وقت سے اب تک ہمارے مدارس میں یہ سلسلہ برابر چلا آ رہا ہے، حدیث کے بنیادی مباحث کے درس کے ساتھ فقہاء کرام کی اختلافی آراء کو بھی کافی تفصیل سے موضوع سخن لایا جاتا ہے، یہ ایک حقیقت ہے کہ تمام تر فقہی مسائل قرآن و احادیث کے بحر بے کراں سے غوطہ زنی کر کے مستنبط کیے گئے ہیں، لیکن قرآن و حدیث سے ان مسائل کے استخراج و استنباط کیلئے فقہاء اربعہ میں سے ہر ایک فقیہ نے اپنی تحقیق اور مکمل جستجو کے بعد کچھ اصول وضع کیے، پھر انہی کی روشنی میں مسائل کی تخریج کی، اب جب تک ان اصولوں سے شناسائی نہ ہو اسوقت تک ایک عالم، فقیہ کی دقت نظر اور اسکے علم کی گہرائی و گیرائی سے یکسر بے خبر رہتا ہے، اور دلیل کی تہہ اور کنہ تک نہیں پہنچ پاتا۔

اس سلسلے میں گزارش یہ ہے کہ ہمارے مدارس میں اصول حدیث کو وہ اہمیت نہیں دی جارہی جس اہمیت کا یہ فن متقاضی ہے، اوّل تو پورے درس نظامی میں اس فن سے متعلق صرف دو کتب کا درس کا دیا جاتا ہے، جو اس فن میں مناسبت وممارست پیدا کرنے کیلئے ناکافی ہے، شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ اسی ضرورت کے پیش نظر ارباب مدارس کو مشورہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''احادیث کی کتب علی وجہ البصیرۃ پڑھائی جائیں، اور اسکے ساتھ اصول حدیث کی کوئی معیاری کتاب مثلاً تدریب الراوی یا فتح المغیث وغیرہ کا اہتمام ہو، جو طالب علم کیلئے ازبس ضروری ہے۔'' (۷)

شیخ عبدالمالک اپنی کتاب المدخل میں علوم حدیث کی اہمیت وضرورت کو اجاگر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وأما عصرنا هذا فى الاعتناء بعلوم الحديث أضعف وأضعف.....والواقع أن الحاجة الى معرفة علوم الحديث الشريف أمر لا يمكن أن يتخلف فيه اثنان وحاجة الأمة الى ذلك فى جميع العصور على حد سواء،بل قد تجددت فى عصرنا هذا أمور، وحدثت فتن زادت فى لزوم الاعتناء بهذاالعلم أكثر مماكان فى عصور القديمة ....(٨) .

ہمارے زمانے میں علوم حدیث کی طرف توجہ اور دلچسپی انتہائی کمزور پڑ چکی ہے، جبکہ علوم حدیث شریف کی معرفت ایک ایسا امر ہے جس میں کوئی دورائے نہیں، ہر دور میں امت اسکی معرفت کی برابر محتاج ہے، بالخصوص عصر حاضر میں کہ جب ہر طرف سے نت نئے حادثات رونما ہورہے ہیں، فتنوں کا اژدھام ہے تو اس علم کی ضرورت اور اس سے اعتناء پہلے سے بھی کہیں زیادہ بڑھ جاتا ہے۔

دوسری جگہ مستشرقین، منکرین حدیث وغیرہ فتنوں کا ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

قد اشتدت (الفتن) فى هذاالعصر وفى هذا البلادخاصة،حملات غلاة غير المقلدين ،فقد قاموا بتمزيق صفوف المسلمين وتشتيت كلمتهم، وايقاع التفرق بينهم تشقيق وحدتهم ولا سبيل الى رد شبهات هولاء ايضا الابمعرفة علو م الحديث. (٩)

''اس زمانے میں فتنے خوب شدت سے پھیل رہے ہیں اور پھر خصوصا ہمارے شہروں میں، متعصب اور غالی غیر مقلدین کی ہنگامہ آرائیاں زوروں پر ہیں، یہ ایک حقیقت ہے کہ فتنہ بردار مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے اور اہل اسلام کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کا عزم کر چکے ہیں، تو ایسے نازک وقت میں ان کی یلغار کے سامنے بند باندھنا، علوم حدیث کی معرفت کے بغیر قطعاناممکن ہے۔''

ثانیا: یہ کہ انہیں ملحقات کے طور پر پڑھایا جاتا ہے اور سرسری انداز میں گزار دیا جاتا،

ثالثاً: تقسیم سبق اور انتخاب مدرس میں بھی ذوق کا کچھ خاص لحاظ نہیں رکھا جاتا، جس کی بناء پر اس فن میں بصیرت تو دور کی بات کچھ خاطر خواہ مناسبت بھی پیدا نہیں ہو پاتی، عظیم محقق، محدّث کبیر علاّمہ زاہد الکوثریؒ جامعہ ازہر کے زعماء کی خدمت میں لکھتے ہیں:

یعیّن شیخ لعلم أصول الحدیث المعروف بصطلح الحدیث....... (١٠)

پھر مدرس کی صلاحیت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومدرس هذاالعلم فی امکانه غرس حب علوم الحدیث فی نفوس الطلبة، (١١)

یعنی اس مدرس میں ایسی صلاحیت ولیاقت ہو کہ وہ طلبہ علم کے نفوس میں اس فن کا بیج بو دے۔

رابعاً: یہ کہ جو اصول پڑھائے جاتے ہیں وہ حضرات محدثین کے وضع کردہ ہیں، تقریباً شوافع کے بھی یہی اصول ہیں اسلئے کہ مصطلحات حدیث کے مصنفین میں اکثر شافعی المسلک ہیں، جبکہ احناف کے اصول حدیث ان سے جدا ہیں، یہاں پر یہ وضاحت کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علوم حدیث کے موجد فقہا ہیں اور پھر فقہاء میں سے اولیت کا اعزاز ائمہ احناف کے حصہ میں آیا ہے، فقہاء کا دور محدثین سے پہلے کا ہے، اسلئے فقہاء کرام نے حدیث کے رد و قبول کے معیار محدثین سے قبل ترتیب دیے اور ان معیاروں کے مطابق پھر حدیث کی اقسام، راویوں کی شرائط، وغیرہ تمام اصول مرتب و مدون کیے، اس ضمن میں ایک عام غلطی یہ ہوتی ہے کہ محدثین نے احادیث کو قبول یا رد کرنے کے جو اصول وضع کیے ہیں عموماً فقہاء کے احادیث کو پرکھنے کے بھی یہی اصول سمجھ لیے جاتے ہیں، ڈاکٹر محمد باقر خاکوانی لکھتے ہیں:

عوام الناس حدیث کے میدان میں محدثین کی کتب کو دیکھ کر اس مغالطہ میں مبتلا ہو گئے کہ اصول حدیث صرف محدثین کا سرمایہ ہیں اور فقہاء بھی اصول حدیث کے میدان میں محدثین کے اصولوں کی پیروی کرتے ہیں، حالانکہ یہ حقیقت کے بالکل برعکس ہے۔(۱۲)

اب یہ ایک حقیقت ہے کہ ان اصول سے آگاہی کے بغیر طالب علم کا اپنے مذہب پر حقانیت کے ساتھ شرح صدر کا ہونا، اس پر مسئلہ کی تہہ اور علت کا واضح ہونا اور فقیہ کے نقطہ نظر تک پہنچنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ فقہ حنفی پر ایک اشکال جو بڑے زور وشور سے اٹھایا جاتا ہے کہ اس فقہ کی تدوین میں حدیث پر عمل نہیں کیا گیا، اس اعتراض کی بنیاد بھی دراصل احناف کے اصول سے عدم واقفیت ہے، اسلئے کہ جس طرح دیگر فقہاء کے حدیث کو قبول یا رد کرنے اصول ہیں اسی طرح احناف کے بھی حدیث کے قبول یا عدم قبول کے بارے میں کچھ قواعد واصول ہیں، ان ہی کی روشنی میں احادیث کو معمول بہ بنایا گیا ہے اور بعض کو چھوڑا گیا ہے، شیخ کیلانی محمد خلیفہ احناف کے اصول

حدیث پر لکھے گئے اپنے وقیع مقالے میں لکھتے ہیں:

ولقد شاع عن المذهب الحنفي منذنشاته وعلى مر العصور، أنه يخالف الحديث الصحيح في كثير من المسائل الفقهية، وانه ذلك يعدّ أبعد المذاهب من اتباع السنة، وليس الأمر كذلك؛ فغاية الأمر ان للحنفية أصولا وقواعد في قبول الأحاديث وردها، وأن هذه الأحاديث التي ردوها لم تصح من خلال أصولهم وقواعدهم. (۱۳)

حنفی مذہب کے آغاز سے لیکر تقریباً تمام زمانوں میں یہ اعتراض کیا جاتا رہا ہے کہ اس فقہ میں بہت سے فقہی مسائل میں صحیح احادیث کی مخالفت کی گئی ہے اور اسے اتباع سنت سے ہٹا ہوا مذہب گردانا جاتا ہے، جبکہ یہ اعتراض حقیقت کے سراسر خلاف ہے، وہ اسلئے کہ احناف کے حدیث کو قبول کرنے اور چھوڑنے کے کچھ اصول وضوابط ہیں، انہوں نے انہی احادیث کو چھوڑا ہے جو ان کے اصولوں کی روشنی میں درست نہیں تھی۔

مقالے کے آخری صفحات میں بحث کا نچوڑ اور خلاصہ پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ان اغلب الأحاديث التي أتهم الحنفية بمخالفتها لم تثبت وفقا لمنهجهم النقدي. (۱۴)

وہ احادیث جن کی مخالفت کا اتہام احناف پر لگایا جاتا ہے، (ان کو چھوڑنے کی وجہ) وہ دراصل احناف کے منہج نقد (احادیث کو پرکھنے کے معیار) پر انکا پورا نہ اترنا ہے۔

محقق کبیر علامہ زاہد الکوثریؒ اصول احادیث میں فقہاء کے ذوق اور مشرب کے مختلف ہونے کی وجہ سے پیدا ہونے والے اختلاف کی صراحت ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

"تجد علماء هذه الأمة وأدلاء ها قد سعوا سعيا حثيثافي جميع الأدوارفي جمع أدلة الأحكام، والكلام عليها متناً وسنداًدلالة على اختلاف أذوقهم ومشاربهم في شروط قبول الأخبارو على تفاوت مداركهم في النصوص ولآثار." (۱۵)

اگر اس امت کے علماء اور دلائل کے باب میں ان کی کاوشوں کو دیکھا جائے تو انہوں نے احکام کے دلائل جمع کرنے میں سرتوڑ محنتیں کیں، حدیث کے متن اور سند اور اسی طرح ان کے قبول کرنے میں جو اختلاف ہے وہ دراصل اس باب میں ان کے ذوق کے مختلف ہوجانے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔

اگر ایک حدیث احناف کے اصول کی روشنی میں صحیح ہے اور محدثین کے اصول میں ضعیف ہے یا اس کے برعکس محدثین کے ہاں تو صحیح ہے لیکن احناف کے معیار کے مطابق نہیں ہے، تو اس سے احناف کی حدیث سے

مخالفت لازم نہیں آتی، بلکہ احناف کے حدیث کو لینے کے اصول دیگر حضرات سے کہیں زیادہ سخت ہیں، امام صاحب سے روایات کے کم ہونے کی بھی بظاہر یہی وجہ ہے۔

اس اہمیت کے پیش نظر شدت سے اس چیز کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ دینی مدارس میں اس شعور کو بیدار کیا جائے کہ اس فن کی تعلیم میں احناف کے اصول حدیث کو بھی زیر بحث لایا جائے، تاکہ طلبہ کرام کو اس موضوع میں بصیرت حاصل ہو سکے، باقی محدثین کے اصول اس لیئے ہیں کہ خصم کو اس کے اصولوں کی روشنی میں جواب دیا جا سکے، لیکن اسکا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اپنے اصولوں کو یکسر چھوڑ دیا جائے، محقق عصر حضرت ڈاکٹر مولانا عبدالحلیم چشتی صاحب مدظلہ اس موضوع کی اہمیت کے پیش نظر "دراسات فی اصول الحدیث علی منہج الحنفیہ" کے مقدمۃ میں اہل مدارس کی خدمت میں التماس کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"نظرا الی اهمية الكتاب وأقترح على أصحاب المدارس والجامعات أن يجعلوه فى مقررهم الدراسى ليتعرف الطلبة الى اصول الحنفية فى الحديث." (١٦)

اس کتاب کی اہمیت کے پیش نظر میں مدارس اور جامعات کے ارباب اہتمام کی خدمت میں یہ تجویز رکھتا ہوں کہ وہ اس کتاب کو شامل سبق کریں تاکہ طلبہ کو احناف کے اصول حدیث سے شناسائی ہو سکے۔

شیخ عبدالمالک ڈھاکوی صاحب "**حال عصر نافى االعناية بعلوم الحديث**" کے عنوان کے تحت اسی کمی کا اظہار کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

نعم وبقى ألآن من علوم الحديث الكلام على فقه الاحاديث كلاماطويلا...ولكن من غير مراعاة لأصول الدراية وقوانين الرواية ومن غير المام باسباب اختلاف الفقهاء. (١٧)

اس دور میں علوم حدیث کی بجائے فقہ پر طویل کلام کیا جاتا ہے لیکن اس کلام میں بھی فقہاء کے روایت و درایت کے اصول وقواعد کے بیان کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور مسئلہ میں جن وجوہ کی بنا پر فقہاء کا اختلاف ہوتا ہے ،ان کے ذکر سے بھی بے توجہی برتی جاتی ہے۔

اگر ارباب مدارس انفرادی طور پر سنجیدگی کیساتھ اس معاملے پر غور فرمائیں تو چند تجاویز سے اس کمی کا ازالہ ہوسکتا ہے:

الف: اس موضوع پر کسی ایک کتاب کا انتخاب کر کے کو شامل سبق کر لیا جائے، انتخاب میں قدماء کی کتب کو ترجیح دی جائے تو زیادہ بہتر ہے۔

ب: ہفتہ وار یا ماہانہ اوقات مخصوص کر کے ان میں ماہرین فن کے محاضرات اور دروس کا نظم بنایا جائے۔

ج: شرح نخبۃ کے درس کیساتھ ہی احناف کے اصول حدیث کے بیان کا اہتمام کیا جائے، اس صورت میں اس فن سے شغف رکھنے والے معلّم کا تقرر کیا جائے تاکہ موازنہ اور محاکمہ کی صورت میں اصابت رائے قائم کر سکے۔

☆☆☆

حوالہ جات

(۱) مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے اپنی تصنیف ''پاک وہند میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت'' میں نظام تعلیم کا آغاز قطب الدین ایبک کے عہد خلافت سے ہی کیا ہے، پہلی جلد کے صفحہ ۲۶۴ پر درس نظامی کی خصوصیات اور ہندوستانی علماء کی خدمات کی نقاب کشائی کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: ہندوستان میں سوڈیڑھ سو سال نہیں بلکہ تقریباً تقریباً چھ سات سو سال تک دین کا سارا کاروبار دینیات کے اسی مختصر نصاب کے پڑھنے والوں نے انجام دیا، قضاء، افتاء، صدارت جیسی تمام خدمات یہی لوگ قطب الدین ایبک کے زمانے سے بہادر شاہ کے زمانے تک بلکہ جب تک انگریزی حکومت کے محکمے قاضیوں اور صدور کے ہاتھوں میں رہے۔

(۲) لیکن علامہ شبلی نعمانیؒ نے اس رائے سے قدرے اختلاف کیا ہے، مقالات شبلیؒ جلد ۳ صفحہ ۱۰۵ پر ہے: ''درس نظامی اگرچہ علامہ نظام الدین کی طرف منسوب ہے لیکن درحقیقت اس کی تاریخ ایک پشت اوپر سے شروع ہوتی ہے یعنی ملا نظام الدین کے والد سے جن کا نام قطب الدین شہید تھا۔

(۳) علماء ہند کا شاندار ماضی، سید محمد میاںؒ (ج:۱،ص:۳۶۳)۔

(۴) دیکھیے ممتاز مورخ علامہ غلام علی آزاد بلگرامی کی ماثر الکرام۔

(۵) تذکرہ علمائے ہند، مولوی رحمان علی، مترجم محمد ایوب قادری (۵۲۵)۔

(۶) تذکرہ علمائے ہند (۵۲۶)۔.....(۷) ہمارا تعلیمی نظام، از مفتی تقی عثمانی (۱۰۶)۔

(۸) المدخل الی علوم الحدیث الشریف، عبدالمالک ڈھاکوی، (۱۵)

(۹) ایضا، (۱۶)۔.....(۱۰) مقالات الکوثری: (۵۷۳)۔.....(۱۱) أیضا: (۷۵۳)۔

(۱۲) فقہاء کے اصول حدیث، از ڈاکٹر محمد باقر خاکوانی (۲۰)۔.....

(۱۳) منہج الحنفیہ فی نقد الحدیث، (۵۴)۔.....(۱۴) أیضا، (۵۶۷)۔

(۱۵) مقالات الکوثری (۸۱)۔.....(۱۶) دراسات فی أصول الحدیث، عبدالمجید الترکمانی، (۱۱)۔

(۱۷) المدخل الی علوم الحدیث الشریف، (۱۴)۔